پریم چند اور مونو لاگ بحوالہ افسانہ نگاری

پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی، شعبۂ اُردو، جامعۂ پشاور

Abstract

Premchand (July 31, 1880 October 8, 1936) commands a unique prestige in Urdu literature for his contribution as short story writers he provided a strong foundation to the genre in its infancy, in Urdu. This article focused on analyses of the technique of monologue as premchand has introduced and used in Urdu short story

فطرت نے منشی پریم چند کے دل و دماغ کو خاص طور پر افسانے کے لیے بنایا تھا۔ کہانی پن اور افسانویت کا سلیقہ جتنا پریم چند کے ہاں نظر آتا ہے وہ شاید کسی اور افسانہ نگار کے ہاں نظر نہ آئے۔ پریم چند کی پوری افسانوی فہرست پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنے موضوعات کے پیشِ نظر کہانیوں کی بنت ایسی ہنرمندی سے کی ہے جس سے ان کا تجزیاتی کینوس کافی وسیع ہو گیا ہے۔

پریم چند کے اِن افسانوی اور تکنیکی تجربات میں ایک تجربہ Monologue کا برمحل استعمال ہے وقارعظیم کے مطابق Monologue ''کسی کردار کی اُن باتوں کا فنی نام ہے جو وہ کسی دوسرے کو سنانے کے اِرادے کے بغیر بلند آواز میں اپنے آپ سے کرتا ہے''[۱]

وقارعظیم دراصل ڈرامے کے فن اور اسٹیج پر کرداروں کی دشواریوں سے بچنے کے لیے خود کلامی کی وضاحت کر رہے ہیں۔ افسانہ نگار چونکہ اِن مسائل سے دوچار نہیں ہوتا اس لیے اِس کو یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ کردار کے باطن کے اِن گوشوں کو بھی طشت از بام کردے جو اس کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی ہیں۔

اڈورڈ۔ اے رائٹ نے خود کلامی کی تعریف اور اس کے اقسام اِس طرح بیان کیے ہیں:

> ''خود کلامی سے مراد ہے ہے کسی اداکار کی وہ تقریر جسے سننے کے لیے سٹیج پر کوئی اور اداکار موجود نہ ہو۔۔۔ جہاں تک اس کی اقسام کا تعلق ہے تو وہ یہ ہیں (الف) تعمیری: جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ناظرین کے لیے پلاٹ کی وضاحت کی جائے (ب) خیالی: اس میں خود کلامی کرنے والے کردار کی سوچ یا اس کے جذبات کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔۔۔''[۲]

جہاں تک پریم چند کے افسانوں میں Monologue کا استعمال ہوا ہے تو خود کلامی کے مذکورہ اقسام میں موخر الذکر

سے ہے۔ ہیملٹ کی خود کلامی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

پریم چند کا افسانہ ''یہی میرا وطن ہے'' ایک ایسے ہندوستانی کی کہانی ہے جو ۳۰ سال کی عمر میں امریکہ جا بستا ہے اور ۹۰ برس کی عمر میں وطن واپس لوٹتا ہے جہاں سب کچھ بدل چکا ہوتا ہے۔ ایسے میں یہ کردار فلش بیک میں ماضی اور حال کا موازنہ کرتا ہے اور Monologue کی تکنک کے ذریعے اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔ اسی خود کلامی کے ذریعے ردو قبول کے مراحل سے گزر کر کہانی آگے بڑھتی ہے۔

اِس طرح پریم چند کا ایک اور افسانہ ''توبہ'' مشمولہ فردوسِ خیال میں پریم چند نے اپنی زندگی کا ایک قصہ بیان کیا ہے کہ انسانی شخصیت کا ارتقاء کس طرح ہوتا ہے۔ بچپن کے حالات واقعات اور ذہنی اپروچ دقت بدلنے کے ساتھ ساتھ کس طرح بدلتی رہتی ہے اِن تمام اُمور کو پریم چند جس تکنیکی انداز میں برتتے ہیں تو اس میں Monologue کا سہارا بھی لیا گیا ہے جسے داخلی خود کلامی کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا داخلی خود کلامی ایک طرح کی خاموش خود کلامی ہے جس میں تبدیلی نظر نہیں آتی لیکن اِس تکنیک کے ذریعے کردار مکمل طور پر واضح ہوتا ہے اور اس کے چھپے گوشے بھی آشکارہ ہوتے ہیں ملاحظہ کیجیے اِس سلسلے میں ایک مثال جس میں افسانے کا کردار اپنے آپ کو مئے نوشی پر قائل کرنے کے لیے مختلف قسم کی تاویلات گڑھتا ہے:

> ''یہ خیالات میرے قدیم خودارانہ طرزِ عمل کی بیخ کنی کرنے لگے۔ وہ روز نئے نئے دلائل سے مسلح ہو کر آتے تھے کیوں، کیا تم ہی سب سے زیادہ عقل مند ہو؟ سب پیتے ہیں۔ ججوں کو دیکھو، اجلاس چھوڑ کر جاتے اور پی آتے ہیں۔ اگلے وقتوں میں ایسے عہد کا ایفاء ہو جاتا تھا۔ جب معاش کا حاصل کرنا ایسا جان لیوا کام نہ تھا۔ لوگ ہنسنا ہی تو شروع کریں گے کہ بڑے عہد کرنے والے کی دم بنے تھے آخر آ گئے نا چکر میں، ہنسنے دو، میں نے ناحق عہد کیا۔ اسی عہد کے سبب اتنے دنوں تپسیا کرنی پڑی نہیں پی تو کونسا بڑا آدمی ہوگیا، کون سی عزت پا گیا؟ پہلے کتابوں میں پڑھا کرتا تھا کہ یہ نقصان ہوتا ہے وہ نقصان ہوتا ہے مگر کہیں تو نقصان ہوتے نہیں دیکھا۔ ہاں بدمست مے نوش ہو جانے کی اور بات ہے ویسے تو اچھی سے اچھی چیز کا بُرا استعمال بھی نقصان رساں ہوتا ہے۔ عقل بھی جب حد سے تجاوز ہو جاتی ہے تو دہریت کے احاطے میں داخل ہو جاتی ہے۔ پینا چاہیے تنہائی میں، جذبہ کو بیدار کرنے کے لیے، سلانے کے لیے نہیں بس پہلے دن ذرا ذرا جھجک ہوگی، پھر کس کا ڈر۔ ایسی بندش کرنی چاہیے کہ لوگ مجھے جبراً پلا دیں کہ اپنی شان قائم رہے۔ جب ایک روز عہد شکست ہوگیا۔ تو پھر مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ گھر والوں کے آگے بھی آنکھیں نیچی نہ کرنی پڑیں۔''[۱۳]

اِس منقولہ اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پریم چند کے ہاں داخلی خود کلامی ایسی صورت اختیار نہیں کرتی جس سے موضوع اور افسانہ گورکھ دھندا بن جائے بلکہ اس تکنیک کے ہوتے ہوئے نہ صرف افسانے کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے بلکہ پریم چند کی مشاقی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہی مشاقی اور ہنرمندی ان کے افسانے ''شکوہ شکایت'' میں بھی دیکھی جا سکتی ہے جس کی تعریف ہمارے بڑے بڑے ناقدین نے کی ہے۔ ممتاز شیریں اس افسانے کے بارے میں کہتی ہیں:

> ''منشی پریم چند کا افسانہ ''شکوہ شکایت'' بالکل سادہ بیانیہ انداز میں ہے یہاں مصنف ''وہ'' میں چھپا ہوا ہے

ایک عورت بیان کرتی جارہی ہے اپنے شوہر کی خامیاں ،میٹھی میٹھی شکایتیں ۔ اس چھوٹے افسانے میں صرف شوہر کے کردار کا خاکہ بڑی کامیابی سے کھینچا گیا ہے بلکہ ایک خوشگوار اور ہموار ازدواجی زندگی کا عکس بھی ہے''شکوہ شکایت'' تکنیک کے اعتبار سے خودکلامیہ Monologue ہے۔''۴

ڈاکٹر انوار احمد نے بھی اِس افسانے کی فنی و تکنیکی ہنرمندی ،موضوع کی وسعت اور اچھوتے پن کی تعریف کی ہے۔۵ اس طرح افسانہ''روشنی'' کا کردار''میں'' خوبصورت مناظر اور مقامات پر نظر پڑنے کے بعد ذہنی طور پر محوِ سفر ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہتا ہے:

''جابجا کاشت کار کھیتوں میں کام کرتے نظر آتے تھے۔ ربیع کی فصل تیار ہو چکی تھی ۔اوکھ اور خربوزے کے لیے زمین تیار کی جارہی تھی ذرا ذرا سے مزارے تھے۔ وہی باوا آدمی کے زمانے کے بوسیدہ ہل وہی افسوناک جہالت وہی شرمناک نیم برہنگی ۔ اس قوم کا خدا ہی حافظ ہے ۔ گورنمنٹ لاکھوں روپے زراعتی اصلاحوں پر صرف کرتی ہے۔نئی نئی تحقیقاتیں اور ایجادیں ہوتی ہیں۔ ڈائریکٹر انسپکٹر سب موجود اور حالت میں کوئی اصلاح کوئی تغیر نہیں۔مغرب میں تعلیم کا طوفان بے تمیزی برپا ہے ۔ یہاں مدرسوں میں کتے لوٹتے ہیں جب مدرسے میں پہنچ جاتا ہوں ۔تو مدرس کو کھاٹ پر نیم غنودگی کی حالت میں لیٹے پاتا ہوں بڑی دوا دوش سے دس بیس لڑکے جوڑے جاتے ہیں ۔جس قوم پر جمود نے اس حد تک قبضہ کرلیا۔اس کا مستقبل انتہا درجہ مایوس کن ہے اچھے اچھے تعلیم یافتہ آدمیوں کو سلف کی یاد میں آنسو بہاتے دیکھا ہوں ۔ مانا کہ ایشیاء کے جزائر میں آریں مبلغوں نے مذہب کی روح پھونکی تھی ، یہ بھی مان لیا کہ کسی زمانے میں آسٹریلیا بھی آرین تہذیب کا ممنون تھا۔لیکن اس سلف پروری سے کیا حاصل آج تو مغرب دنیا کا مشعل ہدایت ہے ۔ننھا سا انگلینڈ نصف کرۂ زمین پر حاوی ہے ۔اپنی صنعت وحرفت کی بدولت بے شک مغرب نے دنیا کو ایک نیا پیغام عمل عطا کیا ہے اور جس قوم میں اِس پیغام پر عمل کرنے کی قوت نہیں ہے۔اس کا مستقبل تاریک ہے جہاں آج بھی نیم برہنہ گوشہ نشین فقیروں کی عظمت کے راگ الاپے جاتے ہیں جہاں آج بھی شجر و حجر کی عبادت ہوتی ہے ۔ جہاں آج بھی زندگی کے ہر شعبے میں مذہب گھسا ہوا ہے ۔اگر اس کی یہ حالت ہے تعجب کا مقام نہیں ہے۔''۶

پریم چند نے یہاں شعور کی رو Stream of Conciousness کی تکنیک استعمال کی ہے جو مجرد خود کلامی کی شکل میں سامنے آتی ہے اس طرح ماحول کے وہ اثرات بھی سامنے آئے ہیں جو کردار پر اثر انداز ہوئے ہیں اس کی ذہنی کیفیت ، خواہشات ، زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر افسانے سے جھانکتی ہیں اگرچہ شعور کی رو کی تکنیک میں بظاہر ربط کا فقدان ہوتا ہے مگر اِس افسانے میں چونکہ یہ تکنیک جزوی طور پر استعمال کی گئی ہے اس لیے پریم چند کا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کی منتقلی میں افسانے کے تکنیکی ربط کو نقصان نہیں پہنچا ہے۔نتیجتاً پریم چند کی یہ افسانوی تکنیک کہانی کی روح کو مجروح نہیں کرتی بلکہ تفہیم کے ابلاغ کا موجب بھی ہے۔

شعور کے بہاؤ اور ذہن کی عکاسی کو پیش کرنے کے لیے ایک طریقہ یہ ہے کہ ماضی کو حال میں پیش کیا جائے ۔لیکن

اس کے بھی دو انداز ہو سکتے ہیں جن سے دو الگ الگ تکنیکیں بن گئی ہیں۔ لیکن اِن میں بڑا نازک فرق ہے پہلی تکنیک میں ماضی کا عکس یوں دکھاتے ہیں کہ بنتے ہوئے نقوش کی ہو بہو تصویر اُترتی چلی جائے صرف وہی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو ذہن میں آتی ہیں اِس کے لیے ایک مخصوص طرزِ تحریر ہوتی ہے۔ بیانیہ کی طرح اس میں تسلسل نہیں ہوتا نہ بچے تلے مرتب جملے ہوتے ہیں بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے شعور کی زبان میں ذہن آپ سے محوِ گفتگو ہو۔ ماضی اور حال میں کوئی حدِ فاصل نہیں ہوتی بلکہ گڈ مڈ ہو جاتے ہیں حال سے ماضی اور ماضی سے حال جس طرف چاہیں مواد کو موڑ سکتے ہیں۔ دوسری تکنیک میں ماضی اور حال کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے ایک حد قائم کر دی جاتی ہے۔ جیسے ہی حال میں گزرتا ہوا کوئی واقعہ ماضی کی یاد دلائے وہیں حال کے آگے ایک لکیر کھینچ دی جاتی ہے اور ماضی کا وہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور یہ واقعہ صرف ذہن اور کردار کی سوچوں میں محدود نہیں رہتا بلکہ زائد تفصیلیں بھی بیان کی جاتی ہیں اور مصنف بیانیہ انداز میں خود یا کسی کردار کی زبانی بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اس میں Reflection اور Narration دونوں کا امتزاج ہوتا ہے واقعہ مکمل بیان ہونے کے بعد ماضی کی حدیں توڑ کر پھر حال میں آ داخل ہوتا ہے۔[7]

پریم چند کے افسانے ''گلی ڈنڈا'' کا تعلق تکنیک کی دوسری قسم سے ہے ''گلی ڈنڈا'' بچپن کی گم شدگی کے بعد، جوانی میں اس کی ناکام کوشش کا نوحہ ہے۔[8]

افسانے کی ابتداء انشائیے کی طرز پر ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ''گلی ڈنڈا'' پر انشائیہ پڑھ رہے ہوں۔ مگر ایک خاص مقام پر پہنچ کر مصنف نہ صرف انشائی اسلوب سے گریز کرتا ہے بلکہ یہ گریز اس کا حال سے ماضی کی طرف بھی ہے۔ اس طرح حال اور ماضی میں ایک حد قائم ہو جاتی ہے اور اب پریم چند باقی کہانی کو مکالموں Dialogue عمل Action اور خود کلامی Monologue کے حسین امتزاج سے اپنے فطری انجام کی طرف لے جاتے ہیں اور آخر میں پریم چند ماضی کی حدیں توڑ کر دوبارہ حال میں آ داخل ہوتے ہیں۔

پریم چند کا شعور کی رو اور مونو لاگ کے اتنے برمحل اور خوبصورت استعمال کے بعد بھی ممتاز شریں[9] اور نگہت ریحانہ خان[10] کی اِس بات سے ہرگز اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ تکنیک کی بنیاد حسن عسکری نے رکھی ہے۔

جہاں تک اوّلیت اور بنیاد رکھنے کی بات ہے تو اِس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ حسن عسکری سے پہلے پریم چند نے اپنے افسانوں میں جن کا ذکر ہو چکا ہے میں شعور کی رو اور مونو لاگ کی تکنیک بھرپور انداز میں پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں ''سوزِ وطن'' جو پریم چنا کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے اس میں افسانہ ''عشق دنیا اور حب وطن'' میں پریم چند نے میزینی کے کردار کے باطنی دنیا کو دکھانے کے لیے خود کلامی Monologue کی تکنیک کو استعمال کیا ہے جو شعور کی رو کی ایک قسم ہے۔ اِس طرح پریم چند کے باقی افسانوں کی مثالیں بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ اِس لیے ممتاز شیریں اور نگہت ریحانہ خان اگر پریم چند کا مطالعہ اسی تناظر میں کرتیں تو اوّلیت کا سہرا پریم چند ہی کے سر باندھتیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ افسانوی تدبیر کاری کے اعتبار سے حسن عسکری شعور کی رو کو ایک نئی کروٹ سے آشنا کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے، اولیت کا سہرا بہر حال پریم چند ہی کے سر بندھتا ہے۔

حواشی و کتابیات:

۱۔ اُردو ڈراما فن اور منزلیں، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۲

۲۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات، مرتبہ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء

۳۔ فردوسِ خیال، پریم چند، نئی دہلی: پریس بک ڈپو، ۱۹۸۶ء

۴۔ معیار، ممتاز شیرین، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء، ص: ۱۶۔۱۷

۵۔ انوار احمد، اُردو افسانہ تحقیق و تنقید، تحقیق و تنقید، انوار احمد، ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۸ء

۶۔ واردات، پریم چند، لاہور: کشمیر کتاب گھر، س۔ن

۷۔ اُردو افسانے میں تکنیک کے تجربات، ایم۔فل مقالہ، سلمان علی، مملوکہ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، ۲۰۰۰ء

۸۔ انوار احمد، اُردو افسانہ تحقیق و تنقید، تحقیق و تنقید، انوار احمد، ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۸ء

۹۔ معیار، ممتاز شیرین، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء، ص: ۲۷

۱۰۔ اُردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ، نگہت ریحانہ خان، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۱۷

II